Lesson 4: Yunus (Ayaat 53- 74): Day 15

سُوۡرَةُ یُونس کی تفسیر

ہم نے ولایت کی چند بنیادی چیزیں پڑھ لیں اور سمجھ بھی لیں۔ بہت اچھی طرح سمجھ آ گئی کہ ولایت کا تعلق نہ تو جنوں سے ہے اور نہ اس کے اندر جوگی بننا ہے، نہ کشف ہے اور نہ الہام ہے اور نہ ہی کسی بھی قسم کی وہ باتیں ہیں جو آج کے دور میں عام کر دی جاتی ہیں اس سوچ کے ساتھ کہ اگر آپ کو ولی بننا ہے تو وہ سب ہو گا۔

ہم دیکھیں گے کہ صحابہ کے دور سے آج کے دور کی ولایت کیسے بنی۔ نبی کریمؐ کے دور میں ایسے لوگ تھے جن میں ولی اُللہ والی ساری خوبیاں تھیں جنہیں ہم نے یہاں پڑھا۔ ان میں زُہد بھی تھا اور تقویٰ بھی تھا۔ صحابہ اکرام ہر کام کو سُنت کی روشنی میں کرنے کے عادی تھے۔ یہ بڑا اہم نقطہ ہے کہ جب دنیاوی زندگی میں سُنت ہماری زندگیوں سے کٹتی ہے تو غیر مسلموں کے رسم و رواج ہماری زندگی میں آنے لگتے ہیں کہ کیا فرق پڑتا ہے۔ اسی طرح جب دین کے نام پہ سُنت کی مالا گلے سے اترتی ہے تو دین کے ناطے سے بھی انسان اپنی مرضی کا دین دار بن جاتا ہے۔ پہلی صدی اور دوسری صدی ہجری میں ایسے تمام لوگ جو بہت زیادہ تقویٰ اور عبادت کرنے والے تھے انکو "زاہد" اور "صالحین" کا نام دیا گیا۔ یعنی سب سے پہلے اولیاء اکرام کے نام پہ لوگوں کے ذہنوں میں جو ہسٹری آئی تھی اُس میں ایسے لوگوں کو سب سے پہلے زاہد کہا جاتا تھا۔ اگر آپ پُرانی شاعری دیکھیں تو اُس میں آپکو زاہد اور زُہد کا لفظ ملے گا۔ پھر اسی طرح اُنکو صالحین کہا جاتا تھا۔ پھر جب تیسری صدی شروع ہوئی تو مسلمانوں پر یونانی اور ہندی فلسفے کے اثرات پڑے۔ وہ لوگ جو بہت زیادہ عبادت گزار تھے انکے اندر اب ترکِ دنیا اور رہبانیت دونوں مِل گئیں۔

اُس دور میں جب یہ چیزیں شامل ہوئیں تو زاہدین اور صالحین کو اولیاء اللہ کہا جانے لگا۔ اُس وقت یہ موضوع اور یہ نام صرف اُن لوگوں کے لیئے خاص تھا جو ریاضتیں اور چِلّا کشیاں کریں۔ باقائدہ کسی شیخ یا ولی کی بیت کے رشتے میں منسلک ہوں۔ اور ان سے کرامات کا ظہور ہو۔ پھر اس طبقے میں وحدت الوجود اور وحدت الشہود اور حلول جیسے غیر اسلامی عقائد داخل ہوگئے اور ولی کی ولایت کا معیار یہ قرار پایا کہ جس کسی سے کرامات کا ظہور جتنا زیادہ ہو وہ اُتنے درجے کا ولی ہے۔ پھر ان میں سے بعض نے یہ بھی دعویٰ کر دیا کہ ہمیں براہِ راست اللہ تعالیٰ سے خبریں ملتی ہیں (نعوذُ باللہ) اور ہمیں رسول کی ضرورت نہیں۔ بعض نے شریعت کو ہڈیاں اور اپنے دینِ طریقت کو مغز قرار دیا اور باقاعدہ باطنی نظام کی داغ بیل رکھ دی۔ ان میں پیری، مُریدی ضروری قرار دی گئی۔

یہ لوگ اپنے اس مخصوص طبقے کو ہی برتر اور اولیاء اللہ قرار دینے لگے۔ اور ان اولیاء اللہ کے علمِ غیب، تصرف (تصرف کا مطلب ہے کہ اللہ کے کام کرنے میں ان کا ہاتھ ہے) کی ہیبت سے لوگوں کو ڈرایا جانے لگا۔ اور ایسے نظریات مسلمانوں میں مشہور کیئے گئے جنکی شرعی نقطہ نظر میں کوئی اہمیت نہیں تھی۔ آگے سورۃ حدید میں ہم رہبانیت کی بہت زیادہ تفصیل پڑھیں گے۔ تو آپ محسوس کریں گے کہ جو مقام عیسائیت میں رہباینت کا ہے وہی آج کے دور میں کچھ خاص سوچ رکھنے والے مسلمانوں نے اولیاء اکرام کو دیا ہوا ہے۔

حالانکہ اولیاء اکرام تو وہ ہوتے ہیں جو ایمان سے بات شروع کر کے تقویٰ کی آخری سٹیج پہ پہنچتے ہیں۔

اور وہ پانچ چیزیں جو ہم نے دیکھیں کہ وہ شریعت کے دائروں میں رہتے ہوئے عبادات بھی کرتے ہیں، زندگی کے معاملات بھی نبھاتے ہیں۔ وہ ایسے لوگ نہیں ہوتے کہ بس شیخ کا دیدار کر لو تو کافی

ہے۔ کچھ لوگ تو یہ تک کہتے ہیں فلاں کا دیدار کرلو تو دن اچھا گزر جائے گا۔ جب سے یہ سوچ بنی تصویر کا تصور بن گیا۔ کچھ مسلمانوں کے ایسے گروہ ہیں جن میں تصویرِ شیخ کا بڑا تصور ہے۔ کچھ جگہوں پہ بزرگوں کی بڑی بڑی تصویریں ہوتی ہیں۔ مجھے ایک جگہ جانے کا اتفاق ہوا، تو وہاں تصویر تھی، وہ کہنے لگیں یہ ہمارے شیخ کی تصویر ہے۔ میاں صُبح کام پہ جانے سے پہلے شیخ صاحب کی تصویر کے آگے دعا مانگ کے جاتے ہیں۔ ہماری استاذہ نے بتایا کہ وہ کسی کے گھر گئیں تو اُنہوں نے اپنے گھر کی بیسمینٹ (تہہ خانے) کی چھت پہ نعلین مبارک کی تصویر بنائی ہوئی تھی۔ اُن کا کہنا تھا کہ ہم سب اس کے نیچے سے گزرتے ہیں برکت کے لیے۔ تو ایسے سارے شارٹ کٹ انسان کو عمل سے دور کر دیتے ہیں۔ ایسے لوگ کہتے ہیں ک کچھ تو کر رہے ہیں نا۔ نیک کام ہی تو کر رہے ہیں۔ کیا پتا اللہ ہمیں اس جوتے کے صدقے بخش دے، ان بزرگوں کی خدمت کرنے پہ بخش دے۔

آپ سب سے درخواست ہے کہ قرآن پڑھتے ہوئے جو سوچ ہمیں سیرت سے مل رہی ہے یہ اصل دین ہے۔ اگر صحابہ اپنے آپ کو ولی کہتے تھے یا حضرت ابو بکر صدیقؓ کے گلے میں مالا تھی تو ہم بھی پہن لیں گے، وہ اگر چوغہ پہن کے اللہُ اللہُ کہتے تھے تو ہم بھی کریں گے۔ اُن سے بڑا ولی اُللہ کون ہو سکتا ہے۔ یہاں ہم نے بشارتوں کی بات بھی کرلی۔ جن باتوں کا آخرت میں جا کے پتا چلنا ہے مومن کو اُن کا دنیا ہی میں پتہ چل جاتا ہے۔ بالکل اُس طالب علم کی طرح جو پورے سوال کر کے آتا ہے اور اندر چپکے چپکے مسکرا رہا ہوتا ہے کہ میرا ایک بھی نمبر نہیں کٹے گا۔ اسی طرح ایسے لوگ دنیا میں خوشیاں پاتے ہیں وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ‌ؕ۔ خوف کس چیز کا ہے۔

دو لفظ ہیں 1۔ خوف 2۔ حُزن

خوف کا تعلق مستقبل سے ہوتا ہے اور غم کا تعلق ماضی سے ہوتا ہے۔ کیا مطلب ہے؟ کیا بالکل بے حس لوگ ہو جاتے ہیں۔ غم پروف یا خوشی پروف ہو جاتے ہیں؟ نہیں بلکہ انہوں نے اپنی زندگی خُدا خوفی کے ساتھ گزاری ہوتی ہے اس لیئے قیامت کی ہولنا کیوں کا ان پر اتنا خوف نہیں ہو گا جتنا دوسروں کو ہو گا۔ بلکہ وہ اپنے ایمان اور تقویٰ کی بنیاد پر اللہ کے فضل کے اُمید وار ہونگے۔ یہ اللہ سے حُسنِ زن رکھتے ہیں۔ اسی طرح وہ دنیا میں جو کچھ چھوڑ گئے ہونگے یا دنیا کی لذتیں انہیں حاصل نہ ہو سکیں، اُس پر انکو کوئی ملال نہیں ہو گا۔ اگر دنیا میں کچھ نہیں بھی ملا تو گلہ نہیں۔ مانگتے ضرور ہیں لیکن ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں "رضیتُ باللہِ ربًّا"۔ مثلاً اگر کسی کی اولاد نہیں اب ایک ہے رو دھو کے اُسی میں اپنی صحت بھی گنوا دے اور دوسروں سے تعلق بھی خراب کر لے اور دوسرا ہے کہ رضیتُ باللہِ ربًّا"۔ تو اللہ سے راضی رہنے والا اللہ کا ولی ہوتا ہے۔

خوف اور غم سے نجات کی ایک اور تفسیر کی گئی ہے کہ ان کے دلوں میں کدورت نہیں ہوتی۔ دوسرے مسلمان کی نعمتوں کو دیکھ کر حسد نہیں کرتے۔ انکے دل میں دوسروں کے لیئے منفی جذبات نہیں ہوتے۔ اپنے سے اعلیٰ نعمت والے کو دیکھ کے کہتے ہیں یہ اللہ کی رضا ہے اور اپنے سے کم نعمت والے کو دیکھ کے اکڑتے نہیں بلکہ کہتے ہیں یہ اللہ کا فیصلہ ہے۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں اصل میں یہ لوگ "جیتے" ہیں۔ سارے باتوں کو سمیٹ کے آخر میں یہ ضرور کہوں گی کہ اصل زندگی اولیاءِ اکرام کی ہے۔ ہم سب ولی بن سکتے ہیں، شرط کیا ہے؟

الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ۔ اس کے بغیر تو دنیا میں صرف بیگار ہے۔ سورۃ توبہ کی آیت 52 میں ہم بشارتوں کی بات پڑھ کے آئے تھے کہ غزوہ تبوک کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے دل کی

حالت کیا بتائی تھی ؟ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى الْحُسْنَيَيْنِ ۔ ہمارے لیئے تو دو اچھائیوں کے سوا تیسری کسی بات کا تصور ہی نہیں ہے۔ یا تو فاتح ہو کے مالِ غنیمت لے کے آجائیں گے یا پھر شہید ہو کے اللہ کے پاس پہنچ جائیں گے۔ تو یہ مومن کا حال ہے کوئی غم، تکلیف نہیں۔ سورۃ توبہ آیت 51 میں بھی پڑھا قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا ۚ هُوَ مَوْلٰىنَا ۔ گھبرانے کی کیا بات ہے اللہ ہمارا دوست ہے اور اگر دوست کی طرف سے کوئی تکلیف آبھی جائے تو سر آنکھوں پہ۔ اللہ سے اتنی محبت ہو جاتی ہے کہ اُس کی طرف سے آئے غم، تکلیفیں بھی خوشی لگتی ہیں۔ لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۔ اللہ کی باتیں نہیں بدلتیں۔ مراد یہ ہے کہ پہلے دور سے لے کے آخری دور تک اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ایک اصول ہے۔ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ اور یہی بڑی کامیابی ہے۔ اللہ ہمیں ایسی کامیابیوں پہ ڈال دے۔ آیت 65 میں نبیؐ کے دل کی حالتیں ہیں۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ ولی اُللہ کوئی پتھر دل لوگ نہیں ہوتے، ان کو دُکھ سُکھ ہوتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ ہر حال میں خوش ہوتے ہیں۔

وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ ۘ اِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ۚ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿٦٥﴾

اے نبیؐ، جو باتیں یہ لوگ تجھ پر بناتے ہیں وہ تجھے رنجیدہ نہ کریں، عزّت ساری کی ساری خدا کے اختیار میں ہے، اور وہ سب کچھ سنتا اور جانتا ہے۔

کون سی باتیں؟ جو نبیؐ کے پیچھے پراپیگنڈہ کرتے تھے، نبی کریمؐ کو ستاتے تھے اور باتیں آپؐ تک پہنچ جاتی تھیں تو دُکھ تو ہوتا تھا۔ یعنی اللہ کے نبیؐ کے اندر انسانی جذبات تھے۔ لفظ يَحْزُنْكَ کو دیکھیں۔ اگر یہاں یہ لفظ ہوتا وَلَا يَحزُبُک، اور آپکو غضب میں نہ ڈالیں انکی باتیں۔ تو کیا بات سمجھ آئی؟

کہ ناسمجھ لوگوں کی، دین سے دور لوگوں کی باتیں، جب وہ شک وشبہ کرتے ہیں تو دین داروں کو اُس پہ غصہ میں نہیں آنا چاہیئے۔ لیکن دُکھ ہونا تو انسان کی بات ہے۔ مثلاً اگر کوئی ہماری بے عزتی کر دے تو ہمیں کیا فکر ہوتی ہے کہ میری تو عزت نہیں رہی، خاندان والے تو مجھ سے بات نہیں کریں گے، میرے بچوں کے رشتے نہیں ہونگے۔ لیکن ایک داعیِٔ دین کے ساتھ یہ معاملہ ہو تو وہ کہے گا کہ میری عزت تو چھوڑو، میری وجہ سے دین پر کوئی حرف نہ آئے۔ جب دین سکھانے والے کو کوئی بات کرتا ہے تو اُس کو چھوڑیں یا نہ چھوڑیں لا محالہ دین چھوڑ دیتے ہیں۔ کہ ہم ان سے نہیں سیکھتے، ہم ان کے اصول کو نہیں مانتے، تو نقصان کس کا ہوا، دین سکھانے والے کا اور حرج کس کا ہو؟ دین کا۔ تو اپنے لیے دعا کریں کہ اللہ ہمیں فتنہ نہ بنائے۔

امام بخاری کا واقع ریفرنس کے لئے لکھ لیں کہ 1000 اشرفیوں کی تھیلی سمندر میں پھینک دی کہ میرے اوپر کوئی الزام نہ لگ جائے۔ تو دین کی عزت بچانے کے لیئے بعض دفعہ وہ کم کرنا پڑتا ہے جس میں اللہ کی نظر میں تو انسان سُرخرو ہوتا ہے لیکن لوگوں کو بات سمجھ نہیں آتی۔ تو اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ آپؐ کیوں فکر کرتے ہیں۔ انکی باتیں دین پر کوئی حرف نہیں ڈالیں گی اِنَّ الۡعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا عزت تو ساری کی ساری اللہ کے لیئے ہے۔ هُوَ السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ وہ تو سب سُننے اور جاننے والا ہے۔ یہ ایک بندۂ مومن کے دل کی حالت ہے۔ اگر آپ کو کوئی کچھ کہہ دے اور آپ صفائیاں دینے چل پڑیں تو بات بننے کی بجائے بگڑ جائے گی۔ اکثر ہم بہت زیادہ صفائیاں دینے کے چکر میں اپنی بات زیادہ بگاڑ لیتے ہیں۔ سورۃ مریمؑ میں جب حضرت مریم پہ الزام لگا تھا تو اُنہوں نے کیا کیا تھا "کہ آج میں نے رحمان کے نام کا روزہ رکھا ہے" اور اللہ نے حضرت عیسیٰؑ سے کہا کہ آپ بولیئے۔ تو اپنا دفاع کرنا چھوڑ دیں۔ وہ

السَّمِيۡعُ الۡعَلِيۡمُ خود سارے جواب دے لے گا۔ اگر آپ اپنے اندر سے اپنی اَنا ختم کرنا چاہتے ہیں تو لوگ کچھ بھی کہیں، صبر کا گھونٹ پئیں، رولیں، دُکھ کر لیں اور اللہ سے کہیں کہ اللہ اب تو اس کے دل سے میری لیے بُرائی نکال دے۔ آپ دیکھئے گا گھروں کا سکون واپس آجائے گا۔ اور الۡعَلِيۡمُ سے یہ پتا چلتا ہے کہ جو بات کسی کو نہ پتہ چلے وہ اللہ کو پتہ ہے۔ جیسے سورۃ ملک میں کہتا ہے کہ کیا میں نہیں جانوں گا جس نے تم کو پیدا کیا۔

حضرت عائشہؓ پہ تہمت لگی تھی چُپ کر کے اندر بیٹھ گئی تھیں۔ کوئی مدینے کی گلیوں میں جا جا کے لوگوں کو قصے نہیں سُنائے۔ ہمیں کوئی مشکل آئے تو سب سے پہلے فون کی سختی آتی ہے۔ تو کبھی ایسی کوئی بات ہو تو کبھی کسی کو نہ پوچھیں۔ اگر سچ ہے تو چُپکے سے اللہ سے معافی مانگ لیں کہ اے اللہ میری بات چھُپ نہ سکی اور اگر جھوٹ ہے تو اللہ سے دعا کریں اے اللہ تو اس کا دل صاف کر دے۔ اور پھر اپنے کام میں لگ جائیں۔ یہ ہے؛

وَلَا يَحۡزُنۡكَ قَوۡلُهُمۡ ‌ۘ اِنَّ الۡعِزَّةَ...

آگاہ رہو! آسمان کے بسنے والے ہوں یا زمین کے، سب سے سب اللہ کے مملوک ہیں اور جو لوگ اللہ کے سوا کچھ (اپنے خود ساختہ) شریکوں کو پکار رہے ہیں وہ نِرے وہم و گمان کے پیرو ہیں اور محض قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔

یعنی زمین کی بڑی بڑی مخلوقات سب اللہ کے غلام ہیں۔ اتنی بڑی وہ ذات ہے۔ اور مَنۡ فِي الۡاَرۡضِ کی لسٹ آپ پیچھے لکھ چکے ہیں۔ مَنۡ اس کے آگے ،'میں' لکھ لیجئے۔ اناء، میرا اپنا آپ سب اللہ کا ہے۔ اگر ہمیں یہ یقین آجائے کہ میں اللہ کی ہوں تو پھر دیکھیں کیسے تبدیلی آتی ہے۔ پھر اس کے ساتھ کہئے میرے بچے اللہ کے ہیں، جیسے بی بی مریم کی ماں نے اللہ کو بیٹی دے دی تھی۔ پھر اسی " مَنۡ کے آگے لکھیئے میرا مال۔ اس طرح بندہ مومن کی پوری زندگی اللہ کی ہے۔ بات سمجھانے کے لیئے ایک مثال ہے کہ آپ کے پاس ایک لاکھ روپے ہیں۔ آپ اُنہیں کسی بڑی کمپنی میں لگا دیتے ہیں۔ کمپنی کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ آپکا ایک لاکھ تو اُنکا ایک پرسنٹ بھی نہیں ہو گا لیکن آپ کا نام تو آجاتا ہے نا کہ ہمارا اُس کمپنی کے ساتھ کاروبار ہے۔ تو اسی طرح اللہ سے بھائی والی ڈالا کریں۔ ہر چیز میں اللہ کا حصہ ڈال کے دیکھیں پھر اُس سے جو برکت آئے گی اُس کا آپ اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن ان لوگوں کا حال کیا ہے کہ ؕ وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيۡنَ يَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ شُرَكَآءَ ؕ اِنۡ يَّتَّبِعُوۡنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنۡ هُمۡ اِلَّا يَخۡرُصُوۡنَ۔ اور جو لوگ اللہ کے سوا کچھ (اپنے خودساختہ) شریکوں کو پکار رہے ہیں وہ نِرے وہم و گمان کے پیرو ہیں اور محض قیاس آرائیاں کرتے ہیں۔

اللہ کے علاوہ کسی اور سے تعلق رکھنے والا اُس بُت کو نہیں پوج رہا ہوتا بلکہ خود کو پوج رہا ہوتا ہے۔ مشرک اپنی پسند کے معبود لیتے ہیں۔ ہم سورۃ الفرقان میں پڑھیں گے کہ ایسے بھی لوگ بھی ہیں۔۔ تو اُسکی شانِ نزول میں آتا ہے کہ مکہ میں ایک شخص تھا کچھ دن ایک بُت کو پوجتا پھر اُسکا دل اُس سے بھر جاتا تو اُسے اُٹھا کے کعبہ میں رکھ آتا اور اُدھر سے ایک اور خوبصورت سی گڑیا اُٹھا لاتا۔ اُس کے بارے میں یہ آیت اُتری تھی کہ یہ بُت کو نہیں پوج رہا، اپنے نفس کو پوج رہا ہے۔

يَخْرُصُوْنَ۔ خ، ر، ص اس کا روٹ ہے۔ خرَصہ کہتے ہیں درختوں پہ لگے پھل کا اندازہ کرنا۔ عرب لوگوں میں اتنی زیادہ سمجھ تھی کہ درختوں پہ لگے پھل کو گِن کے اندازہ لگا لیتے تھے کہ اس دفعہ فصل کتنی آئے گی۔ پھر اسی طرح ان پر عُشر اور زکواۃ ادا ہوتی تھی۔ یہ ایک اندازہ ہوتا ہے کبھی غلط اور کبھی ٹھیک بھی ہو سکتا ہے تو یہاں کیا مُراد ہے کہ اندازے لگاتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ ان کا پلو پکڑوں گی تو خود کو بخشوا لوں گی۔ میرا خیال ہے باباجی کی اللہ کے پاس بہت چلتی ہے۔ اس قسم کی باتیں لوگوں کو بہت اچھی لگتی ہیں۔ اللہ کہتا ہے کہ انکو باباجی کی بات نظر آتی ہے لیکن اللہ کی بات نظر نہیں آتی۔ قرآن میں جہاں اس قسم کے شرک کی بات آتی ہے وہاں فوراً اللہ کی کائنات کی نشانیاں ہیں کہ اللہ کے شاہکار دیکھو

هُوَ الَّذِىۡ جَعَلَ لَـكُمُ الَّيۡلَ لِتَسۡكُنُوۡا فِيۡهِ وَالنَّهَارَ مُبۡصِرًا ‌ؕ اِنَّ فِىۡ ذٰ لِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّسۡمَعُوۡنَ ﴿۶۷﴾

وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لیے رات بنائی کہ اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو روشن بنایا اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو (کھلے کانوں سے پیغمبر کی دعوت کو) سنتے ہیں

اللہ کی بانٹ دیکھئے رات آرام کے لیئے اور دن کام کے لیئے۔ یہ مضمون ہم آگے سورۃ عَمَّ يَتَسَعَلون میں پڑھیں گے۔ رات کو لباس بنا دیا۔ رات کو ہر چیز پر کالی چادر آجاتی ہے۔ کچھ نہیں نظر آتا۔ اور پھر صُبح ہوتی ہے تو ایسے لگتا ہے کہ وہ چادر اُٹھ گئی ہے۔ اسکے ساتھ ہی ہماری فیلنگز بھی بدل جاتی ہیں۔ جو رات کا موڈ ہوتا ہے وہ دن کا نہیں ہوتا۔ اور جو دن کا ہوتا ہے وہ رات کا نہیں ہوتا۔ جب انسان فطرت سے ہٹتا ہے تو رات جاگ کے اور دن سو کے گزرتا ہے۔ سورج تو 6 بجے نکل آتا ہے لیکن ہم 12 بجے

تک کمبل سے نہیں نکلتے۔ وقت میں برکت نہیں رہتی۔ اس میں فطرت کا اشارہ بھی ہے کہ جب ہم سورج اور چاند کے حساب سے چلتے ہیں تو پھر ہماری طبیعت میں سرور آتا ہے اور ہمارے کام بھی اچھی طرح ہو جاتے ہیں۔ پھر ہم اللہ کی مدد بھی حاصل کرتے ہیں۔ دیر تک سونا صحت کے لیئے بھی نقصان دہ ہوتا ہے۔

روایت میں آتا ہے کہ رات کا بالکل ابتدائی وقت، مغرب کے ابتدائی وقت کے فوراً بعد، ایک ہوا چلتی ہے۔ اُس میں ایک بوجھ ہوتا ہے جسے آج کی زبان میں humidity کہتے ہیں۔ جب وہ انسانی طبیعتوں پہ آتی ہے تو طبیعت بوجھل ہونے لگتی ہے۔ اور اگر اُس وقت انسان سو جائے تو اُسے بہت اچھی نیند آئے گی۔ یہ ہم سورۃ نحل میں بھی پڑھیں گے۔ چند گھنٹے کی نیند اُسکی ساری تھکن دور کر دے گی۔ اور اگر اُس وقت ہم نہ سوئیں، کاموں میں لگے رہیں تو پھر تھکن ہوتی ہے۔ بستر پہ پھر کروٹیں بدلتے رہتے ہیں۔ ہمارے بڑے بزرگ ہمیشہ رات کو وقت پہ سونے کے عادی تھے۔ ہماری نانی کی روٹین تھی کہ عشاء پڑھ کے اُدھر ہی بیٹھ کے ساری دعائیں، اذکار پڑھ کے فوراً سو جاتی تھیں۔ پہلے لوگ سورج نکلنے سے پہلے اُٹھ جایا کرتے تھے۔ اسی لیے سارا دن بانکے بانکے پھرتے تھے۔ یہ سب کر کے دیکھیں آج بھی وقت میں بہت برکت ہے۔ اللہ ہمیں اس کی خیر سمیٹنے والا بنا دے۔

اِنَّ فِیۡ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوۡمٍ یَّسۡمَعُوۡنَ -- اس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو (کھلے کانوں سے پیغمبر کی دعوت کو) سنتے ہیں۔ ابھی جو بات ہوئی تو وہ نشانی تھی۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کہتے ہیں کہ جو قوم اللہ کی بات کو سُنے گی، اُسکو اس سے نشانیاں ملیں گی۔ غور کیا کریں، رات کیسے آگئی، اسے کون لے کے

آیا۔ یہ دن کیسے آرہاہے۔ یہ اتنی بڑی چھتری کس نے اُٹھائی ہوئی ہے۔اس میں غور وفکر کرنے کی دعوت دی جارہی ہے۔

آیت 68 میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص شرک کا ذکر ہے؛

قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا سُبۡحٰنَهٗ‌ؕ هُوَ الۡغَنِىُّ‌ؕ

لوگوں نے کہہ دیا کہ اللہ نے کسی کو بیٹا بنایا ہے سبحان اللہ! وہ تو بے نیاز ہے،

اللہ کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ اُسکو اولاد کی حاجت ہو۔ یہاں لفظ الۡغَنِىُّ بہت اہم ہے۔ انسان اولاد کی خواہش کیوں کرتا ہے، تا کہ اولاد اُسکا سہارا بنے، مرنے کے بعد دنیا میں اُسکے ذریعے اسکا نام باقی رہے، بڑھاپے میں اسکی تنہائیوں کا ساتھی ہو۔ اول تو آج کے دور میں یہ چیزیں ملنا مشکل ہے لیکن انسانی ضرورتوں کے تحت اگر انہیں مان بھی لیا جائے تو اللہ کی ذات ان چیزوں سے 'غنی' ہے۔ نہ اُسکو سہارے کی ضرورت ہے، نہ اُسکو موت ہے اور نہ اُسکے کام رُکے ہوئے ہیں۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ ہر حاجت سے غنی اور بے نیاز ہے۔

لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الۡاَرۡضِ‌ؕ

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اس کی ملک ہے ۔

بار بار تکرار ہے۔ اپنے دل کو اللہ کی بڑائی میں رنگ لو۔ جب اللہ کی بڑائی دلوں میں آجائے گی تو لوگ چھوٹے ہوتے جائیں گے۔ آپ کمپیوٹر سکرین کو ذہن مین رکھیں۔ جب آپ اُس پہ دو یا تین ونڈوز اکھٹی کھولتے ہیں اور اُنہیں ترتیب سے ایک سائڈ پہ کر دیتے ہیں تو آپ آرام سے ضرورت کی ونڈو کو

کھول سکتے ہیں لیکن اگر آپ ایک ونڈو کا سائز بڑا کر دیں تو چھوٹی ونڈوز اُس کے پیچھے چھُپ جائیں گی۔ بالکل اسی طرح بندۂ مومن کا دل کمپیوٹر کی سکرین ہے۔ جتنا اللہ کی ذات کو آپ بڑا کرتے جائیں گے، باقی چیزیں چھوٹی ہوتی جائیں گی۔ اللہ کی ذات کو Zoom out کریں اور باقی چیزوں کو Zoom in کرتے جائیں۔ اور یہ کام قرآن بڑی خوبصورتی سے کرتا ہے۔ اس لیے فرمایا؛

اِنۡ عِنۡدَكُمۡ مِّنۡ سُلۡطٰنٍۢ بِهٰذَا‌ ؕ اَتَقُوۡلُوۡنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۶۸﴾

تمہارے پاس اس قول کے لیے آخر کیا دلیل ہے؟ کیا تم اللہ کے متعلق وہ باتیں کہتے ہو جو تمہارے علم میں نہیں ہیں؟

یعنی اللہ پہ بغیر سند باتیں کرتے ہو۔ کہ اللہ کی بیٹیاں، بیٹے ہیں، وہ اللہ کے کاموں میں (نعوذ باللہ) مدد کرتے ہیں۔ یہاں لَا تَعۡلَمُوۡنَ علم کی بات ہوئی ہے۔ عالم کون ہوتا ہے؟ عالم وہ ہوتا ہے جسکو اپنے علم کی محدودیت کا احساس ہو۔ جاہل کو یہ نہیں پتا ہوتا۔ وہ کہتا ہے کہ مجھے سب آتا ہے، میں بہت جانتا ہوں، میں تو خود بہت پڑھا لکھا ہوں لیکن عالم کو پتا ہوتا ہے کہ مجھے کتنا آتا ہے۔ دوسرے اُسے عالم کہہ رہے ہوتے ہیں اور وہ خود کو دوسروں سے ٹیلی کر کے اپنے آپ کو ذرہ سمجھ رہا ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب علم والوں کے اندر اللہ کا احساس ہوتا ہے، اللہ کی محبت ہوتی ہے تو اُنکا علم نفع والا ہوتا ہے لیکن جب انا آجائے تو گمراہ ہو جاتے ہیں۔ جب خُدا کی جگہ خُدائی آنے لگے تو ایسا علم فائدہ نہیں دیتا۔ ایسی تمام باتوں کو سُنتے ہوئے انسان اپنے لیے ضرور دعا کرے کہ اے اللہ تو مجھے وہ علم دینا جو نفع پرستی والا ہو۔ جہاں بھی شرک ہوتا ہے تو اُسکے پیچھے دو چیزیں ہوتی ہیں۔ 1۔ انا پرستی 2۔ دنیا

پرستی۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ دونوں بہنیں ہیں۔ کچھ اَنا کو پوج رہے ہیں اور کچھ دنیا کو پوج رہے ہیں۔ یہ بدترین combination ہے۔ اور جس بندے میں یہ دونوں ہوں، کہ میں بہت بڑا ہوں اور دنیا سے بھی بہت پیار ہے تو پھر اللہ ہی اُسے اُس گمراہی سے نکالے تو نکالے ورنہ بہت مشکل ہوتا ہے۔ اسی لیئے اللہ سبحانہ وتعالیٰ یہاں پہ بتا رہے ہیں کہ دیکھو یہ اللہ پہ اتنی بڑی باتیں کیوں کر رہے ہیں کہ انکو اپنی جہالت کا احساس نہیں۔

قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿٦٩﴾

اے محمدؐ، کہہ دو کہ جو لوگ اللہ پر جھوٹے افترا باندھتے ہیں وہ ہرگز فلاح نہیں پاسکتے ۔

مَتَاعٌ فِي الدُّنْيَا ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٠﴾

دنیا کی چند روزہ زندگی میں مزے کر لیں، پھر ہماری طرف اُن کو پلٹنا ہے پھر ہم اس کفر کے بدلے جس کا ارتکاب وہ کر رہے ہیں ان کو سخت عذاب کا مزہ چکھائیں گے ۔

ساری باتوں میں سے جو بات میں نے اپنے دل پہ محسوس کی ہے کہ ہر شرک قبر پہ جا کے نہیں ہوتا، ہر بُت مندر میں نہیں ہوتا۔ کچھ بُت دل کے اندر چھُپے ہوتے ہیں، کچھ خواہشات دل کے اندر ہوتی ہیں۔ جب انسان غلط کام کرتا ہے اور اُسے اُن غلط کاموں کا اثر دنیا میں نہیں دِکھتا تو وہ چوڑا ہونے لگتا ہے۔ پھر وہ اللہ پہ بڑی بڑی باتیں کرتا ہے۔ آج اگر غلط کاموں کے اثرات نظر آنے لگ جائیں، مثلاً کوئی شخص جھوٹ بولے اور اُس کے منہ سے بہت بُری بدبو آنے لگ جائے تو کیا کوئی جھوٹ بولے گا۔

حدیث میں آتا ہے کہ جب بندہ ایک جھوٹ بولتا ہے تو رحمت کا فرشتہ اُس کی بدبو کی وجہ سے اُس سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔

آج ہمیں ایسا کیوں محسوس نہیں ہوتا۔ اگر کوئی سگریٹ پیئے تو ہمیں بو آتی ہے، کوئی لہسن کھالے تو اُس کے منہ سے بدبو آتی ہے لیکن ہمیں لوگوں کے جھوٹ کی بو کیوں نہیں آتی۔ یہ تمام آیات جھوٹ پہ تھیں۔ شرک جھوٹ کی بدترین قسم ہے۔ اگر ایسا ہو کہ کوئی جھوٹ بولے اور اُس کے منہ پہ چھالا نکل آئے یا کوئی غیبت کرے تو اُس کی زبان دانت کے ساتھ کٹ جائے تو کوئی ایسا کرے گا۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ یہاں کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہو رہا تو اس سے فائدہ اُٹھاؤ اور یہ کام چھوڑ دو۔

اب اس سے آگے کے دو رکوع میں نبیوں کے قصّے ہیں۔ "انباء الرُسُل"۔ آپ کو اس کا فرق بتایا تھا کہ کچھ میں تفصیل ہے کچھ میں نہیں ہے۔ یہاں حضرت نوح کا ذکر بہت تھوڑا آئے گا۔ پھر حضرت موسیٰؑ کا ذکر جو تھوڑی سی تفصیل ہے وہ تقریباً ڈیڑھ رکوع میں آئے گا۔ اور درمیان میں صرف حوالے کے طور پر مختلف قوموں کی طرف رسولوں کو بھیجنے کا ذکر ہے لیکن کسی رسول کا نام نہیں ہے۔ ہم یہاں حضرت نوح کو کس اینگل سے پڑھیں گے یہ سمجھ لیں۔ سورۃ یونس مکی دور کی آخری سورۃ ہے۔ نبیؐ کو دعوت دیتے ہوئے تقریباً تیرہ سال گزر رہے ہیں اور مکہ میں اللہ کے نبیؐ کے ساتھ لوگوں نے کیا کیا۔ بس اس سورۃ میں حضرت نوح کی دعوت کا آخری دَور پیش ہو رہا ہے۔ پیچھے بھی ہم پڑھ چکے اور آگے سورۃ ھود میں بہت تفصیل کے ساتھ کہانی آئے گی۔ حضرت موسیٰ کی سیرت سورۃ قصص میں آتی ہے اور حضرت نوح کی سورۃ ھود میں آتی ہے۔

آیت 71 سے 74 ایک ہی ٹائٹل ہے "استقامت پہ کھڑا ہوا بندہ" جسکو باہر کی مخالفتوں نے نہیں توڑا، کیونکہ وہ اندر سے مضبوط تھا۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ ۔۔ اِن کو نوحؑ کا قصہ سناؤ،

یہاں نبی کریمؐ کو کہا جارہا ہے کہ انکو حضرت نوح کی کہانی سُنائیں۔ کن کو سُنائیں، جو تیرہ سال سے آپکو ستانے والے ہیں کہ جو اُن کی قوم نے کیا وہ تم کر رہے ہو اور جو ان کی قوم کے ساتھ ہوا، کل تمہارے ساتھ ہو گا۔ سوال بنتا ہے کہ کیوں سُنائیں؟ تو جواب ہے کہ یہ عبرت حاصل کریں۔

اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكُمْ مَّقَامِيْ وَتَذْكِيْرِيْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَعَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَكُمْ وَشُرَكَآءَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُنْ اَمْرُكُمْ عَلَيْكُمْ غُمَّةً ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَيَّ وَ لَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾

جب اُس نے اپنی قوم سے کہا تھا کہ "اے برادران قوم، اگر میرا تمہارے درمیان رہنا اور اللہ کی آیات سناسنا کر تمہیں غفلت سے بیدار کرنا تمہارے لیے ناقابل برداشت ہو گیا ہے تو میرا بھروسہ اللہ پر ہے، تم اپنے ٹھیرائے ہوئے شریکوں کو ساتھ لے کر ایک متفقہ فیصلہ کر لو اور جو منصوبہ تمہارے پیش نظر ہو اس کو خوب سوچ سمجھ لو تاکہ اس کا کوئی پہلو تمہاری نگاہ سے پوشیدہ نہ رہے، پھر میرے خلاف اس کو عمل میں لے آؤ اور مجھے ہرگز مہلت نہ دو ۔

اس سوچ سے کیا لگ رہا ہے؟ حضرت نوحؑ کا اعتماد، دل کا دُکھا ہوُا ہونا۔ قوم سے اتنے دُکھی تھے کہ کہا جاوٗ اب جو کرنا ہے کر لو۔ ساڑھے نو سو سال قوم کو سمجھایا، نصیحت کی، رات دن ایک کیا۔ اگر حضرت نوح کی سیرت پڑھیں تو آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں۔ کہتے تھے اے اللہ میں نے دن کو رات کو پکارا

اور ہر دفعہ یہ نفرت سے دور بھاگتے تھے۔ نبیوں کے دل کی کیا حالت ہوتی ہوگی ہم تو اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتے۔

فَاِنۡ تَوَلَّيۡتُمۡ فَمَا سَاَلۡتُكُمۡ مِّنۡ اَجۡرٍ‌ؕ

تم نے میری نصیحت سے منہ موڑا (تو میرا کیا نقصان کیا) میں تم سے کسی اجر کا طلب گار نہ تھا،

حضرت نوح اپنی قوم سے کہہ رہے ہیں کہ تم مجھے بتاو کہ اتنے سالوں کی تبلیغ کے بدلے میں تم سے ایک پینی بھی لی۔ دیکھیۓ دین کے معاملے میں اَجر کیسے ملتا ہے؟ کیا روپے پیسے کی صورت میں ہوتا ہے؟ نہیں۔ اِسکی مختلف صورتیں ہو سکتی ہیں۔

ایک کہ پیسے مانگنا، وہ نبیوں نے کبھی اپنی قوم سے نہیں مانگا۔

دوسری چیز ہوتی ہے عزت، عُہدہ، کوئی اچھے کلمات، لیکن کچھ نہیں مانگا۔

حقیقت یہ ہے کہ پیچھے بھی ہم پڑھ چُکے ہیں کہ ایک سچا داعیِ دین لوگوں سے کچھ نہیں مانگتا کیونکہ اُسے پتہ ہے کہ میرا اَجر اللہ پہ ہے۔ یہ جو ہم تھوڑا سا کچھ کر کے اکڑنے لگتے ہیں نا کہ اچھا اب میں نہیں کروں گی، یہ اور وہ،، تو توبہ کریں۔ کبھی بھی اس رستے میں نہ اکڑیں۔ یہ لوگوں کی غلامی نہیں ہوتی، اللہ کی ہوتی ہے۔ بظاہر یہ لگ رہا ہوتا ہے کہ بندہ یہ کام لوگوں کے لیے کر رہا ہے لیکن سراسر اُس کا اپنا فائدہ ہے۔ اور آپ یہ کام چھوڑ کے تو دیکھیں کیسے مُصیبتیں آئیں گی۔ میرے آس پاس اَلۡحَمۡدُ

لِلّٰهِ ہر وقت "انصار اُللہ" ہوتے ہیں کبھی میسیجز پہ تو کبھی کسی طرح اور جس میں جتنی عاجزی ہوتی ہے اللہ اُس سے اُتنا کام کروا رہا ہے۔ اور کبھی کسی نے بوجھ نہیں سمجھا۔ کبھی کبھار راتوں کو اچانک

میٹنگ آجاتی ہے۔تو یہ آنر ہے یا بوجھ۔یاد رکھیئے جب آپ اس کام کو آنر سمجھیں گے تو آپ مسکرائیں گے اور اگر بوجھ سمجھیں گے تو جھنجلائیں گے۔اور جُھنجلانے والوں سے اللہ اپنی نعمت لے لیتا ہے۔اس لیے اللہ کے نبیوں کی صورت میں ہم سب کو اپنی ریوائیول کی ضرورت ہے کہ ہم اللہ کے دین کے کام کرتے وقت کیا نیت رکھتے ہیں۔

اس چیز کا کیسے پتہ چلے ؟اللہ آپ سے اپنے دین کا کوئی کام لیتا ہے تو کیسے پتہ چلے کہ کون اپنے لیئے کر رہا ہے اور کون لوگوں کے لیئے۔

ایک کام ہوتا ہے اپنے لیئے کرنا۔مثلاً میں کوئی کام اپنے لیے کرتی ہوں تو اس سے مجھے کیا ملے گا

1۔ثواب

2۔شہرت

3۔محبت،پیار یا کوئی دنیاوی فائدہ مل جائے،کوئی تحفہ تحائف مل جائے۔اب یہ سب چیزیں ایک طرف لکھ لیں۔ان سب کا ایک نتیجہ ضرور ہو گا کہ میری آواز میں سختی آئے گی۔پڑھاتے ہوئے میں نے دیکھا 100 لوگوں کی بجائے 60 لوگ ہیں تو مجھے غصہ آئے گا کہ میرے تو کسٹمر ہی کم ہو گئے۔تو میری آواز میں طنز ہو گا،میں ڈسکس کروں گی،آنے والوں کو نہیں دیکھوں گی بلکہ نہ آنے والوں کی باتیں کر کر کے آپ کا بھی وقت ضائع کروں گی۔تو یہ منفی سوچ ہوتی ہے۔

جب آپ اللہ سے اجر کے لیئے کوئی کام کرتے ہیں تو پھر کیا ملتا ہے۔

1۔نیت کا پھل۔

2۔ دل سے اللہ کے کام کرنے لگ جائیں، اللہ خود برکت ڈالے گا۔

حضرت نوح کی بات سے یہی تڑپ مل رہی ہے کہ لوگو مجھے تم سے کیالیناہے، میں تو اس پہ بڑا خوش ہوں کہ اللہ نے مجھے اس کام کے لیئے چُنااور میں اس کام کو کر رہاہوں۔لوگوں کو یہ بات سمجھ نہیں آتی تھی کی آخر انکو اس کام کے کرنے سے ملتا کیاہے۔ دیناداردنیا کے پیمانے سے تولتاہے اور دین دار دین کے پیمانے سے تولتاہے۔ اندر دلوں میں وسوسے آتے ہیں کہ انکو ملتا کیاہے، انکے مقاصد کیاہیں۔ تو حضرت نوحؑ ان باتوں کاجواب دیتے ہیں

اِنۡ اَجۡرِیَ اِلَّا عَلَی اللّٰہِ ۙ وَ اُمِرۡتُ اَنۡ اَکُوۡنَ مِنَ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۷۲﴾

میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے اور مجھے حکم دیا گیاہے کہ (خواہ کوئی مانے یانہ مانے) میں خود مسلم بن کر رہوں"

بات سمجھانے کے لیئے ایک مثال دیتی ہوں کہ آپ کسی بھی گروسری سٹور پہ جائیں تو وہاں مختلف لوگ کام کر رہے ہوتے ہیں۔ کیا کبھی کسی نے آپ کو کہا کہ میں ایک گھنٹے سے کام کر رہاہوں تو آپ مجھے تنخواہ دیں۔ نہیں۔ کیونکہ انکی تنخوہ کمپنی دیتی ہے۔ اسی کو آپ سمجھ لیں کہ ایک اسلام کے نام پہ سٹور ہے۔ وہاں روح کی غذا ملتی ہے۔ دین کے کام کرنے والے وہاں کے ملازمین ہیں۔ جو لوگ ہماری دعوت پہ قرآن سیکھنے آتے ہیں یہ کسٹمرز ہیں۔ تو کیا دین کے کام کرنے والوں کو سیکھنے آنے والوں سے کچھ مانگنا چاہیئے۔ نہیں،، انکا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے۔ جسکو یہ بات سمجھ آجاتی ہے تو پھر اسکی باتوں میں سے طعنے تشنیع ختم۔ حضرت نوحؑ کی ان ساری باتوں میں جو ایک چیز نظر آتی ہے وہ نوٹ کر لیجیئے کہ

1۔سب سے پہلی چیز کہ سچے مومن دین کے لیئے جو بھی مشکلات برداشت کرتے ہیں انکا ایمان اتنا مضبوط ہو جاتا ہے کہ باہر کی مخالفتوں سے گھبراتے ہیں۔

2۔اللہ پہ توکل کرتے ہیں۔پورے اعتماد کے ساتھ اپنے کام کو کرتے ہیں۔

3۔نرم زُبان لیکن بات منوانا

4۔دین کو نہیں بدلنا۔لوگوں کی تعداد سے متاثر نہیں ہونا۔ایسابندہ اندر سے ایمان کی بھٹی میں سُلگ رہاہوتا ہے۔اُسکو اللہ کی بات کرکے اندر سے ایمان مِل رہاہوتا اور اس طرح وہ لوہابن جاتا ہے۔پھر باہر کی مخالفتیں اُسے فرق نہیں ڈالتیں۔اگر آپ مومن اور مفافق کا تقابل کریں تو دونوں کافرق سمجھ آجائے گا۔منافق کولوگوں سے energy ملتی ہے۔لوگوں کی تعریفوں پہ خوش،لوگوں کی حوصلہ افزائیوں پہ خوش،بھاگ بھاگ کے کام کرے گا جبکہ مومن کو اللہ کی بات سے energy ملتی ہے۔اسلیئے جب بھی دین کی بات کریں پورے یقین کے ساتھ کریں۔اتنااخلاص،اتنی بہترین سٹریٹیجی لیکن ہوا کیا آیت 73

فَكَذَّبُوْهُ۔ پھر بھی اُنہوں نے جُھٹلادیا۔کب؟اتنے اخلاص کے باوجود،اتنے بے غرض ہونے کے باوجود،اتنے بے نیاز ہونے کے باوجود،اتنی کوششیں کرنے کے باوجود اُنہوں نے جُھٹلادیا۔کیاپتہ چلا کہ لوگ جُھٹلادیتے ہیں۔

فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِى الْفُلْكِ وَجَعَلْنٰهُمْ خَلٰٓئِفَ وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا ۚ فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿٧٣﴾

اور نتیجہ یہ ہوا کہ ہم نے اسے اور اُن لوگوں کو جو اس کے ساتھ کشتی میں تھے، بچالیا اور انہی کو زمین میں جانشین بنایا اور ان سب لوگوں کو غرق کر دیا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا پس دیکھ لو کہ جنہیں متنبہ کیا گیا تھا (اور پھر بھی انہوں نے مان کر نہ دیا) اُن کا کیا انجام ہوا۔

اب یہ آنے والے دور یعنی قومِ ھود کے لیڈر بن گئے۔ قومِ نوح کے باقی لوگوں سے قومِ ھود بنی تھی پھر اُس سے قومِ ثمود بنی تو اللہ کہتے ہیں کہ جُھٹلانے والوں کے ساتھ کیا کیا کہ انکو تباہ کر دیا۔ یہ اللہ کی پکڑ تھی۔ اللہ کی پکڑ کبھی سیدھے سادھے لوگوں پہ نہیں آتی۔ اُن کے ساتھ اللہ بڑی نرمی کا معاملہ کرتا ہے۔ پکڑ آتی تب ہے جب حُجت تمام ہو جائے۔ جب لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی بات پہنچ جائے اور وہ نظر انداز کریں تو پھر بڑی سخت پکڑ آتی ہے۔ اللہ سے ڈرتے ہوئے ایک بات کہنے لگی ہوں کہ اللہ کی بات میرے تک پہنچ گئی ہے کہ کیا حق اور سچ ہے۔ اب اگر میں نے چھوڑا تو میری پکڑ بڑی سخت ہے۔ پھر وہ حال ہوتا ہے کہ نہ انسان جیتا ہے نہ مرتا ہے۔ لیکن اگر کوئی ابھی تک گناہوں کی زندگی گزار رہا ہے تو اُس کو اللہ ابھی نہیں پکڑے گا۔ اُس کے پاس ابھی مہلت ہے۔ تو دعا کریں کہ جب ہم تک پیغام پہنچ جائے تو پھر ہم اُسکو پالیں۔ سبق کی آخری آیت 74

ثُمَّ بَعَثۡنَا مِنۡۢ بَعۡدِهٖ رُسُلًا اِلٰى قَوۡمِهِمۡ فَجَآءُوۡهُمۡ بِالۡبَيِّنٰتِ

پھر نوحؑ کے بعد ہم نے مختلف پیغمبروں کو اُن کی قوموں کی طرف بھیجا اور وہ اُن کے پاس کھلی کھلی نشانیاں لے کر آئے،

وہی سٹریٹیجی، وہی، پیغام، وہی ایڈمنسٹریشن۔ ہر نبی کا طریقہ کار، ہر نبی کا مقصد، کردار سازی ایک جیسی تھی کیوں کہ کام ایک تھا۔ ایک ذات کے لیے کر رہے تھے مختلف علاقوں میں تھے۔ اسکو کہتے ہیں اصل فرنچائزیشن۔ کوئی نبی عرب میں آیا کہ عجم میں بھیجا گیا، امیر پہ آیا یا غریب پہ آیا، اُسکی Main methodology ایک ہی جیسی تھی اور حیرت کی بات ہے کہ قوموں کا مزاج بھی ایک ہی جیسا تھا۔

فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ؕ كَذٰلِكَ نَطْبَعُ عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۷۴﴾

مگر جس چیز کو انہوں نے پہلے جھٹلا دیا تھا اسے پھر مان کر نہ دیا اس طرح ہم حد سے گزر جانے والوں کے دلوں پر ٹھپہ لگا دیتے ہیں ۔

یہ وہی انجام ہے جسے اللہ تعالیٰ نے پیچھے دو تین بار آپ لوگوں بتایا۔ آٹھویں پارے کی آخری آیتوں میں بھی یہی بات تھی کہ جب بندہ ہدایت سے منہ پھیرتا ہے تو پھر اللہ اُسے آنے ہی نہیں دیتا کیوں بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ۔ ہمارے ہاں اسے کہتے ہیں کہ جب ایک بار نہ ہو گئی تو پھر ہاں نہ ہو سکی۔ اگر آپکا بچہ ایک دفعہ کھانے سے انکار کر دے تو آپ بھی کہہ دیتی ہیں چلو پھر اب میں بھی تمھیں کھانا نہیں دوں گی۔ تھوڑی دیر بعد جب غصہ ٹھنڈا ہوا اور بھوک لگی تو صرف اس لیئے دوبارہ نہیں کہتے کہ پہلے انکار کر چکے ہیں۔ یہ ہر گھر کی کہانی ہے۔ اور اسی طرح یہ انسانوں کی ہدایت کے ساتھ آنکھ مچولی ہے۔ صاف پتا ہوتا ہے کہ اب یہ ہدایت ہے لیکن شرم، جھجک اپنانے نہیں دیتی۔ جس نے اس چیز پہ قابو پالیا وہ کامیاب ہو گیا۔ کتنے لوگ ہیں جو کسی بھی وجہ سے ہدایت کے راستے سے ذرا سا ہٹتے ہیں پھر آنا بھی چاہتے ہیں لیکن صرف اس سوچ پہ نہیں آپاتے کہ کیا کریں پھر لوگ مذاق کریں گے۔ کسی کی "نہ" کو "ہاں" میں بدلنا بہت مشکل ہے۔ ہاں اگر اللہ اُس کا ہاتھ تھام لے۔ آپ کہب بن

مالک، حلال بن اُمیہ اور مُرارابن ربی کی کہانیاں سُن چُکے ہیں۔ ابولبابہ کے دس ساتھیوں کی کہانی۔ تو یہ بڑی بات ہوتی ہے کہ کوئی ہدایت کی پٹڑی سے اُتر کے پھر واپس آجائے۔ اور اگر آجائے تو اللہ تعالیٰ نے گاڑی تو وہی دی ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ یہ ساری باتیں ہمارے دل پہ لکھی جائیں اور ہم ان سے اپنے لیے عمل کی بات لے سکیں۔ آمین